★ ڈاکٹر سیدہ رقیہ

شیخ سرمد

شخصیت اور فن

مغل عہد ھندوستان کی تاریخ میں عہدِ زرین کہلانے کا مستحق ہے کیونکہ یہ زمانہ جہاں ھر طرح کے علوم وفنون کی گسترش اور پھیلاؤ میں نادرالمثال رہا ہے وہاں یہ زمانہ مذہبی علماؤں، روحانی پیشواؤں اور بعض دیندار بادشاہوں کی سرپرستی سے بھی خالی نہیں تھا۔ مغل بادشاہ علم وادب کے کافی شائقین ہونے کے ساتھ ساتھ صوفیہ کرام سے خاص عقیدت رکھتے تھے چنانچہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوجاتے تھے اُن کا احترام کرتے تھے اور اُن کی خدمت کرنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے تھے حتیٰ کہ دینی معاملات میں اُن سے گفت گو کیا کرتے تھے۔ غرض مغل شاہنشاہوں اور اُس زمانے کے صوفیہ کرام کے تعلقات کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، مثلاً عبدالرحمن چشتی اور جہانگیر کے تعلقات، شیخ احمد سرہندی اور جہانگیر کے تعلقات شاہجہاں اور داراشکوہ کے ملا آخون بدخشی اور سرمد کے ساتھ تعلقات وغیرہ وغیرہ۔ سری رام شرما اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں۔

"SHAH JAHAN AND DARA RESPECTED HIM (MULLA SHAH BADAKSHI) VERY MUCH. SHAH JAHAN USED TO EXCLAIN, THERE ARE TWO EMPERORS IN INDIA, MULLA SHAH AND MYSELF" [1]

صوفیا کرام سے عقیدت کی بناء پر بعض مغل بادشاہوں اور شہزادوں کا مذہب کی طرف کافی میلان رہا ہے۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ مغل شہزادوں میں داراشکوہ بہت ہی خدا ترس اور دیندار شہزادہ تھا دینی علوم سے اُسے فطری رغبت تھی۔ لائق اور فاضل اساتذہ کی نگرانی میں ان علوم سے اس کا شغف اور بھی زیادہ بڑھ گیا تھا۔ اپنے زمانے کے ایک مشہور مجذوب سرمد کے ساتھ اُسے گہری عقیدت تھی اور سرمد بھی داراشکوہ کے ہی حامی رہے دونوں توحید وجودی کے قایل تھے جس کو علمأ اور شریعت نواز صوفیہ پسند نہ کرتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ سرمد کا تعلق ایران کے کسی ارمنی خاندان سے تھا اور مذہباً یہودی یا عیسائی تھا۔ بقولِ مولانا محمد حسین آزاد سرمدؔ یہودی تھا اور توریت و انجیل کو بالفسیر جانتا تھا۔ اور خوب جانتا تھا۔[۲] بعد میں سرمدؔ نے اسلام قبول کیا اور محمد سعید نام پایا۔[۳] ابتدائی پیشہ تجارت تھا۔ ارمن سے تجارتی اموال لیکر ہندوستان آیا۔ اور سندھ کے مشہور شہر ٹھٹھہ میں قیام فرمایا۔ اس سلسلے میں صاحب مراۃ الخیال یوں رقمطراز ہے۔ "در اثنای تجارت بشہر تتہ افتاد برھند و پسر عاشق گشت"۔

چونکہ طبیعت عاشقانہ پائی تھی۔ شہر ٹھٹھہ میں ایک ہندو لڑکے پر فریفتہ ہوئے تھے۔ خدا کی کمالِ کاریگری کا مشاہدہ کر کے ششدر رہ گئے۔ حیرانگی کا عالم اس قدر طاری ہوا کہ سرمدؔ نے مدتوں سندھ کے ریگزاروں اور بیابانوں کی خاک چھانی اور مستی و جنوں کی حالت میں شمالی ہندوستان کے مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے شاہجہان آباد پہنچا تو یہاں پہنچکر داراشکوہ سے ملاقات ہوئی۔ سرمدؔ داراشکوہ کی صحبت میں رہنے لگا اور اس کو بھی سرمد سے کمالِ عقیدت تھی کیونکہ داراشکوہ کو تصوف کا شوق اور دیوانہ مزاج لوگوں سے اعتقاد تھا۔ اس لیے دونوں کی خوب گھٹتی تھی۔[۴] چنانچہ داراشکوہ کے کلام کو دیکھکر اُس عقیدت اور محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے داراشکوہ خود بھی ایک بہت بڑا عالم تھا اُسے عربی فارسی اور سنسکرت پر پوری مہارت حاصل تھی۔ اس نے ہندوں کی مقدس کتاب بھگوت گیتا۔ راماین اور ھندو اپنشدوں کا فارسی میں

ترجمہ کرایا۔ اسے فلسفیانہ اور مذہبی امور میں بے حد دلچسپی تھی، خود کئی کتابوں کے مصنف تھے آخر جب اورنگ زیب عالمگیر دلی میں سریر آرائے سلطنت ہوا تو داراشکوہ اور اس کے ساتھی دلی سے بھاگ نکلے مگر سرمد نے دہلی میں ہی قیام کیا۔

سرمد کی شہادت کے بارے میں مختلف بیانات ملتے ہیں کہتے ہیں کہ اس نے پیش گوئی کی تھی کہ شاہجہان کے بعد داراشکوہ ہی بادشاہ ہوگا لیکن جب وہ شکست کھا کر قتل کر دیا گیا تو عالمگیر نے حضرت سرمد سے دریافت کیا کہ اس نے داراشکوہ کی بادشاہت کی جو خوشخبری دی تھی وہ کیسے پوری نہ ہو سکی، حضرت سرمد نے جواب دیا کہ وہ مژدہ صحیح نکلی کیونکہ داراشکوہ کو ابدی سلطنت کی تاجپوشی نصیب ہوئی ظاہر ہے کہ یہ تاویل اورنگ زیب کو ناگوار گزری ہوگی۔ لیکن ان پر اور بھی الزامات تھے مثلاً یہ کہ وہ پیغمبر اکرمؐ کے (نعوذ باللہ) معراجِ جسمانی کا منکر تھا۔ تذکرہ مراۃ الخیال میں آیا ہے کہ سرمد کی درج ذیل رباعی پر اسے کفر کا فتویٰ صادر ہوا۔

آنکس کہ سرِ حقیقتش باور شد
خود پہن تر از سپہر پہناور شد
ملا گوید کہ بر فلک شد احمدؐ
سرمد گوید فلک بہ احمدؐ در شد

ایک اور الزام یہ تھا کہ سرمد برہنہ رہا کرتا تھا پابندِ لباس نہیں تھا جو شریعت کے خلاف ہے چنانچہ حکومت کے قاضی عبدالقوی نے ان سے بازپرس کی تو انہوں نے یہ رباعی پڑھی ؎

خوش بالائی کردہ چنین پست مرا
چشمی بدو جام بردہ از دست مرا
او در بغل من است و من در طلبش
دزدی عجبی برہنہ کردست مرا [۹]

اس پر قاضی صاحب بہت برہم ہوئے اور سرمد پر عریانی کا جرم عاید کر کے اورنگ زیب عالمگیر کو اس کے قتل کا مشورہ دیا۔ لیکن عالمگیر نے اس کو یہ کہکر رد کیا کہ صرف عریانی وجہ قتل نہیں ہو سکتی اُس کے متعلق یہ بھی مشہور تھا کہ وہ کلمہ کا صرف ایک جز یعنی "لا الہ" پڑھتا ہے چنانچہ اس امتحان کے لیے شاہی دربار میں علمأ و فضلٔ عصر کے مجمع میں سرمد کو طلب کیا گیا اس سے کلمہ پڑھنے کے لیے کہا گیا تو حسب عادت صرف ایک جُز یعنی لا الہ پڑھا علمأ نے اس پر اعتراض کیا تو اس نے کہا "میں ابھی نفی میں مستغرق ہوں مرتبہ اثبات پر نہیں پہنچا ہوں تو پھر جھوٹ کیسے کہوں؟ علمأ نے کہا ایسا کہنا کفر ہے اگر کہنے والا توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے اور اُس کے قتل کا فتویٰ صادر کر دیا گیا[۱۰] یہ ۱۰۷۰ھ کا واقعہ ہے جب عالمگیر کی تخت نشینی کا صرف ایک سال کا عرصہ گزرا تھا۔ قتل کا فتویٰ صادر ہونے کے بعد سرمد کو قتل گاہ میں لے گئے۔ جب جلاد تلوار لیکر آگے بڑھا تو سرمد نے مسکرا کر نظر ملائی اور کہا "فدایٔ تو شوم بیا بیا کہ تو بہر صورتی کہ می آئی من ترا خوب می شناسم"۔ صاحب مراۃ الخیال کی روایت ہے کہ اس جملہ کے بعد یہ شعر پڑھا اور مردانہ وار سر تلوار کے نیچے رکھ کر جان دیدی ؎

شوری شد واز خواب عدم چشم کشودیم
دیدیم کہ باقیست شب فتنہ غنودیم [۱۱]

جامع مسجد کے قریب حضرت سرمد کی قبر اب بھی مرجع خواص و عام ہے والہ داغستانی کے بقول "درجنت مسجد جامع گردنِ اورا زدند و درھمانجا دفن گردند"۔

سرمد ترکِ شریعت کی وجہ سے قانونِ شریعت کی زد میں آ گئے۔ نگارستانِ فارسی میں آیا ہے کہ سرخوش کہتا ہے کہ ایک دن میں اور ناصر علی سرھندی اور مرزا عبد القادر بیدل" دلی کی جامع مسجد میں حوض کے کنارے پر بیٹھے شعر پڑھ رہے تھے کہ سامنے سے سرمد آیا ہمیں دیکھکر ھنسا اور یہ شعر پڑھا ؎

دیر است کہ افسانۂ منصور کہن شد
اکنون سرِ تو جلوہ دہم دار و رسن را [۱۲]

چنانچہ اُس کے دوسرے ہی دن قتل ہوا. یارانِ جلسہ اس سے یہ بیت سنکر محفوظ ہوئے
اور اثنائے شعر خوانی میں پھر اس سے شعر کی فرمایش کی تو اس نے یہ شعر پڑھا.

سرجدا کرد از تنم شوخے کہ با ما یار بود
قصہ کوتہ کرد ورنہ دردِ سر بسیار بود [۱۴]

اہلِ تصوف سرمدؔ کو ولی سمجھتے تھے اور مذکورہ بالا اشعار بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ سرمدؔ غیبی اسرار سے واقف تھا اور اپنی شہادت کے بارے میں بھی اُسے علم تھا[۱۵] لیکن چونکہ اس زمانہ میں اسلام کے راسخ العقیدہ علما و فقہا انا الحق کہنے والوں کو مُرتد اور بے دین سمجھتے تھے. لہٰذا ایسے صوفیوں اور درویشوں کے خلاف ہنگامہ کرتے تھے اور سلاطین وقت سے ملکر اُن کو قتل کرا دیتے تھے[۱۵]

داراشکوہ اگرچہ شیخِ وقت بھی ہوگیا تھا لیکن اس کی زبان سے کچھ ایسے کلمات نکلتے تھے جن کو سنکر علماء آزردہ خاطر ہوتے تھے اور اس کو مُرتد اور ملحد سمجھتے تھے لیکن وہ خود اپنی مدافعت میں "حسنات العارفین" کی تمہید میں لکھتا ہے کہ توحید و معرفت کے منازل و مدارج میں ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جب ایک سالک شریعت و طریقت، کفر و ایمان، خیر و شر اور عبد و معبود سے بالکل بے نیاز ہوجاتا ہے اور بے خودی میں اس کی زبان سے ایسے کلمات نکلتے ہیں جو بظاہر مذہب و ایمان کے منافی ہوتے ہیں لیکن وہ قابلِ مواخذہ نہیں لیکن داراشکوہ کی اس تاویل سے علمائے ظواہر مطمئن نہیں تھے[۱۶] نتیجہ کے طور پر سرمدؔ اور داراشکوہ دونوں کے قتل و شہادت کے واقعات رونما ہوئے.

سرمدؔ کے کلام کا سرسری جائزہ

سرمدؔ کو عربی اور فارسی پر بڑا عبور حاصل تھا. تصوف کے اعلیٰ مقام پر فایز ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھا اور بلند رتبہ رند و مجذوب تھا. انواعِ سخن میں رباعیات پر یدِ طولیٰ حاصل تھا. اس کی رباعیات رندانہ مضامین اور دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ مخصوص ہیں جن میں وہ اکثر فلسفیانہ مضامین باندھتا ہے. فلسفیانہ مسایل اس کے دل و دماغ میں رچ بس گئے

تھے اُس نے سرمستی زندی اور مئی نوشی کے علاوہ مسائل تصوف کی اچھی ترجمانی کی ہے اس نے اکثر وجدانی باتوں کو ایسے طریقے سے ادا کیا ہے کہ وہ مجسم بن کر سامنے آجاتی ہیں اور اس سے عجیب اور خاص قسم کا لطف پیدا ہوتا ہے مثلاً ۔

خواہم دل پژمردہ شود تازہ چو گل
جان نغمہ سرا بود برنگ بلبل
ایام خزان جوش بہاری بزنم
بالا رخی نوش کنم ساغر مل

ترجمہ :۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا مرجھا ہوا دل تازہ پھول کے مانند کھل اٹھے اور میری روح بلبل کی مانند نغمہ الاپے خزاں کے موسم میں بہار کا جوش دکھاؤں اور گل لالہ جیسے حسین چہرے کے ساتھ شراب نوش کروں ۔

سرمد کے ہاں عشقیہ، فخریہ، فلسفیانہ غرض ہر قسم کے مضامین ملتے ہیں جن میں اس کی شاعرانہ شخصیت پورے آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے ۔ اس کی شوخیِ استعارات اور جدت تشبیہات سے انکار نہیں ہو سکتا ۔

دریاست دلت گر تو شناور بشوی
غواص محیط ہفت کشور بشوی
در بحرِ وجود تست موجود ہمہ
طوفان بکنی و خواہ لنگر بشوی

ترجمہ : اے انسان تیرا دل دریا ہے اگر تو تیراک بن جائے تو تمام دنیا کے سمندر میں غوطہ خور ہوگا ۔ تیری زندگی کے سمندر میں سب کچھ موجود ہے ایک یہ تیرے اختیار میں ہے کہ تو طوفان بپا کر دے یا لنگر انداز ہو جائے ۔

سرمد انسان کو قدم قدم پر دنیا کی بے ثباتی سے آگاہ کرتا ہے اُسے اپنے خواہشات

خواہشات پر قابو پانے کی تلقین کرتا ہے دین کو دنیا پر ترجیح دینے کی صلاح دیتا ہے مثلاً لکھتا ہے۔

صہبای خیال یار پیوستہ بنوش
از بہر دُو روز دین بدنیا مفروش
این آتشِ خواہش کہ توافروختہ ای
طوفان بشود اگر نگردد خاموش

ترجمہ: اے عاشق تو ہمیشہ اپنے معشوق کی یاد میں شراب پی۔ اس دنیا کی دو دن کی زندگی کے عوض اپنے دین کو فروخت مت کر یہ خواہشات کی آگ جو تو نے روشن کی ہے طوفان کی صورت اختیار کر لیگی اگر تو اس کو نہ بجھائے۔

سرمد کی شاعرانہ شہرت کا دارو مدار اگرچہ عمر خیام کی طرح اس کی رباعیات پر منحصر ہے لیکن اگر ہم اُن دونوں شاعروں کی رباعیات کا بغور جائزہ لیں گے تو واضح فرق معلوم ہوگا کیونکہ عمر خیام ایک حکیم اور فلسفی تھے صوفی نہ تھے جبکہ سرمد کی ہمہ جہت شخصیت ایک صوفی صافی کی تھی۔ عشقِ الٰہی میں اس قدر مستغرق رہتا تھا کہ جسم کے عریاں ہونے کا کوئی احساس نہیں رہتا۔

آنکس کہ ترا کار جہانبانی داد
مارا ہمہ اسباب پریشانی داد
پوشاند لباس ہر کرا عیبی دید
بی عیبان را لباس عریانی داد [۱۷]

اس حقیقت سے بھی انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ سرمد کی رباعیات میں اگرچہ وہ شیرینی، تاثیر اور سلاست نہیں جو عمر خیام کے کلام میں ملتی ہے لیکن پھر بھی کہیں کہیں دونوں کے خیالات کی یکسوئی قابل توجہ ہے مثلاً سرمد عشق کے غم کو پسند کرتا ہے اسے

عشق کی چاشنی قرار دیتا ہے اور عاشق کی عمدہ غذا شراب کو تصور کرتا ہے اسے شراب پینے کی رغبت دلاتا ہے تاکہ یہی شراب اُسے معشوق سے ملنے کا ایک وسیلہ بنے ؎

سرمد بقمار عشق بازی نبزند
تا سر نہ دہی بسر فرازی نبزند
می خور می خور اگر خدا می خواہی
ناکردہ گناہ پیش قاضی نبزند

شراب کی تلقین عمر خیام کی رباعیات کا خاص موضوع ہے بلکہ اُس کا آدھا کلام تو شراب ہی کے ذکر میں ہے ؎

من بی مئی ناب زلیستن نتوانم
بی جام کشیدہ بارتن نتوانم
من بندہ آن دم کہ ساقی گوید
یک جام دگر بگیر و من نتوانم

عمر خیام کا دل بعض باتوں سے بہت متاثر ہوا تھا۔ مثلاً وہ انسان کی نادانی اور بے خبری سے نالاں ہے کیونکہ اُسے رازِ آفرینش اور رازِ کائنات کا کوئی علم نہیں ہے ؎

دوری کہ درو آمدن و رفتن ماست
اورا نہ بدایت نہ نہایت پیداست
کس می نزند دمی درین معنی راست
کین آمدن از کجا و رفتن بہ کجاست

بالکل اُسی طرح سرمد کو اس بات کا افسوس ہے کہ اس دنیا کے باغ کو ہر شخص نے لالچ کے ساتھ دیکھا یہاں سے وہ کانٹے اور مرجھائے ہوئے پھول لیکر چلا زندگی کی یہ ظاہری صورت جو تمام تر حقیقت ہے اس کو کسی نے نہیں سمجھا افسوس وہ اس حقیقت کو بنا سمجھے یہاں سے

ے چلد باسے

ہر کس بہ ہوس باغِ جہاں دید گذشت
خار و گل پژمردہ بہم چید و گذشت
این صورت ہستی کہ تمامتر معنی ست
افسوس ہرآنکہ نہ فہمید و گذشت

سرمد عام صوفی شعرا کی مانند ریاکار زاہدوں کی دھجیاں اڑاتا ہے اُن کی نماز، روزہ، تسبیح اور شب بیداری ناقص قرار دیکر فرمایا ہے سے

ای زاہد بی چارہ نیازت ناقص
این روزہ و تسبیح و نمازت ناقص
تالوث ریا پاک نسازی از خود
این طاعتِ شبہای درازت ناقص

عمر خیام ریاکار زاہدوں کی شراب نوشی سے پرہیز کرنے کے باوجود اُن کے کردار کا پردہ یوں فاش کرتا ہے

تو فخر ہمی کنی کہ مے مینخانہ نخوری
صد کار کنی کہ مئی غلام است اورا

سرمد عمر خیام کی مانند عیش کوشی کی دعوت نہیں دیتا وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہے اور خدا کے کرم سے بخشش کی توقع رکھتا ہے سے

از جرم فزون یافتہ ام فضل ترا
این شد سبب معصیت بیش مرا
ہر چند گنہ بیش کرم بیشتر است
دیدم ہمہ جا و آزمودم ہمہ را

سرمد خدا کو مجازی لباس اور مجازی رنگ و روپ میں دیکھنے کا بڑا خواہش مند ہے۔ خدا کی ہستی کو کوئی نہیں دیکھ سکا مگر سرمد اپنے محبوب کو عیاں اور آشکار دیکھنے کا بہت آرزو مند ہے ؎

ای جلوہ گر نہاں عیاں شو بدر آ
در فکر بجستیم کہ ہستی تو کجا
خواہم کہ در آغوش کنارت گیرم
تا چند تو در پردہ سمائی خود را

اے پوشیدہ رہنے والے جلوہ گر معشوق باہر نکل اور آشکار ہو جاؤ، اپنا جلوہ دکھا۔ ہم نے اپنے خیالوں کی دنیا میں آپ کو بہت تلاش کیا آخر تو کہاں ہے؟ میں تو تجھ سے بغل گیر ہونا چاہتا ہوں تو کب تک اپنے آپ کو پردہ میں ظاہر کرے گا۔ بقول علامہ اقبال ؎

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

سرمد عشقِ حقیقی کی دولت سے سرشار تھا اس کا دعویٰ ہے کہ یہ دولت سب کے نصیب میں نہیں آتی ؎

سرمد غمِ عشق بلہوس را ندہند
سوزِ دلِ پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار
این دولتِ سرمد ہمہ کس را ندہند[18]

سرمد توحید کا قایل تھا مثلاً لکھتا ہے ؎

سرمد تو حدیثِ کعبہ و دیر مکن
در وادیِ شک چو گمرہان سیر مکن

این شیوهٔ بندگی ز شیطان آموز
یک قبله گزین سجده بر غیر مکن

دنیاوی محبوب اور اُس کے وصل ناپائیدار سے اپنے آپ کو یوں تنبیہ کرتا ہے ؎

باز آ باز آ فکر باطل باز آ
از وہم و خیال خام ای دل باز آ
خوشنود مشو ز فکر دنیا ہرگز
نی وصل بماند و نہ اصل باز آ

ایک اور رباعی میں کہتا ہے ؎

دنیا ز ہوا و حرص بسیار پُر است
ہر جاست دل در غم دینار پُر است
بسیار بسی شربت دینار کم است
این خانہ ویرانہ ز بسیار پُر است

غرض یہ کہ سرمد میں عاشقِ حق ہونے کے آثار نمایاں تھے مثلاً ؎

سرمد کہ ز جامِ عشق مستش کردند
بالا بردند و باز پستش کردند
میخواست خدا پرستی و ہشیاری
مستش کردند و می پرستش کردند

سرمد کے کلام کا بغور جائزہ لینے کے بعد قاری اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اس کی شخصیت عشق حقیقی کے عناصر کا خلاصہ تھی۔ حکومتِ وقت نے اُس پر اگرچہ حکم کفر صادر کیا تھا لیکن حق تو یہ ہے کہ آج تک نہ کوئی دوسرا سرمد اور نہ کوئی منصور پیدا ہو سکا بقول میر تقی میر ؎

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں   تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

★

حواشی

۱. THE RELIGIOUS POLICY OF THE MUGHAL EMPERORS BY SRI RAM SHA

P-NO-115

۲. نگارستانِ فارس — ص ۱۹۶

۳. اگرچہ بعض تذکرہ نگاروں نے سرمد کا اسلامی نام "محمد سعید" لکھا ہے لیکن محمد حسین آزاد اور بعض دیگر مصنفین کے بقول سرمد کا نام معلوم نہیں —

۴. نگارستان فارس — ص ۱۹۶-۱۹۷

۵. SEE MODERN INDIAN HISTORY - P-NO 4 - VOL-I BY SARKAR AND DATTA

۶. مثلاً سفینۃ الاولیا — سکینۃ الاولیا — مجمع البحرین — نادر النکات حسنات العارفین اور رسالہ حق نما اُن کی مشہور تصانیف ہیں۔

۷. معارف نمبر ۶ — جلد ۷ — ۹۶ — ۵ ۱۹ء — عالمگیر ص ۸۱۰ —

۸. نگارستانِ فارس — ص ۱۹۷

۹. شعر فارسی در ہند و پاکستان از مظفر حسین شمیم

۱۰. معارف نمبر ۷ جلد ۹۶ — ۱۹۶۵ء عالمگیر ص ۸۱۱

۱۱. نگارستان فارس — ص ۱۹۹

۱۲. نگارستان فارس — ص ۱۹۸-۱۹۹ — از مولانا محمد حسین آزاد

۱۳. نگارستان فارس — ص ۱۹۸

۱۴. راقم بارگاہ خداوندی میں پناہ کی طلب گار ہے کہ اگر سرمد کو سمجھنے میں کوئی کوتاہی ہوئی ہو البتہ جہاں تک اُن کے کلام کا تعلق ہے اُس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک عاشق صادق اور

خدا ترس مجذوب تھے واللہ اعلم بصواب

۵؎ ۔ معارف (۱۹۶۵ء) نمبر ۶ جلد ۹۶ — ص ۴۱۱ — ۴۱۲

۶؎ ۔ حسنات العارفین بحوالہ معارف نمبر ۶ جلد ۹۶ (۱۹۶۵ء) عالمگیر ص ۴۰۹

۷؎ ۔ شعر فارسی در ہند و پاکستان از مظفر حسین شمیم

۸؎ ۔ شعر فارسی در ہند و پاکستان — نگارستان فارسی